

ہجویری مزار سے الہی دربار تک

(ایک زندہ و جاوید کردار کی سچی داستان)

The Real Muslims Portal

میں نے میٹرک اپنے گاؤں کے سنی بارہائی اسکول سے سائنس کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ تصوف کے رنگ میں تو بچپن ہی سے رنگا ہوا تھا کیونکہ ہمارا گھرانہ زہر دست قسم کا پیر پرست ہے۔ چنانچہ دیدار الہی کے لئے اور صاحب ڈیوٹی (ولی) بننے کے اشتیاق میں اکثر کوشاں رہتا۔ یہاں تک کہ ساری ساری رات مسجد میں گزارتا۔ یا پھر تنہائی میں ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر بھگے کی طرح بھگتی کرتا۔ کبھی الٹانک کر اپنی گنہگار منزل کے حصول کی سعی لا حاصل کرتا۔ مگر فاصلہ تھا کہ بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔ شوق وصال میں کبھی کسی درگاہ اور کبھی کسی دربار پر حاضری دیتا۔ اپنے حلقہ یاراں کی طرح جب عشق کا مروڑ پیٹ میں زیادہ اٹھتا تو کبھی وجد آجاتا۔ کبھی حال چھڑ جاتا اور کبھی خالی دھمال پر ہی گزارہ کرنا پڑتا۔

اسی طرح ماہ و سال گزرتے رہے اور درویشی کی گرہ دل میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ کبھی کبھی ترجمے والا قرآن مجید بڑھتا تو ذہن کسی اور ہی تہمت کی طرف

چلا جاتا۔ کیونکہ وہاں ہمارے جیسی دھینگا مشتی کا تصور تک نہ تھا۔ جب میں اپنے والد صاحب نے دریافت کرتا تو وہ کہتے: بیٹا قرآن ہماری سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ میں بھی ذہن کو ادھر ادھر گھما کے دل کو تسلی دیتا کہ بزرگ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اور دیکھتا تھا کہ والد صاحب اہل معرفت کے حلقے میں منجھے ہوئے تھے اور اپنا الگ ایک مقام رکھتے تھے (اور رکھتے ہیں) گیارہویں شریف کا ختم شریف بڑی پابندی اور بڑے اہتمام سے دلویا جاتا تھا (اور دلویا جاتا ہے) جس میں، میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا تھا۔ یہ تو خیر سن ہی رکھا تھا کہ عشق اور معرفت کی دنیا میں بڑی کٹھنیاں ہیں اور اس راستے میں اترنا جان جو کھوں کا ہی کام ہے۔ بہر حال میں نے اس ”پر خار اور پر خوار“ راستے پر چلنے کا چیلنج قبول کر لیا۔ اس وادی مغضوب کی طرف چلنے سے پہلے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا تو لازمی شرط ہے اس لئے جہاں بڑوں نے ہاتھ دیئے وہاں ہم نے سر دینا بھی قبول کیا ہوا تھا۔

ہاتھوں میں ہاتھ دینے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا جائے پھر وہی اول و آخر، ظاہر و باطن، حاضر و ناظر، جہاں دو ہوں وہاں تیسرا وہ ہوتا ہے اور جہاں چار ہوں وہاں پانچواں اسے سمجھا جاتا ہے۔

میں بھی اسی تصور کے لہدے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس لئے عقیدت کے جوش میں کبھی اپنے مرشد پاک کی تصویر کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتا (جو گھر میں ہمہ وقت موجود ہوتی تھی) اور اپنی آبدیدہ آنکھوں کو اپنے پیر و مرشد، آقا و مولا، حاجت روا، مشکل کشا کے سامنے سجدہ ریز ہو کر ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ یہی سبق سکھایا جاتا تھا کہ سیاہ و سفید کے مالک بھی وہی، بارش برسانے والے بھی وہی، رازق بھی وہی، مالک کل بھی وہی۔ (یاد رہے آج کل ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی ہے اور وہ لنگڑا کر چلتے ہیں اور اس بزرگ کو بعد میں بوجہ چھوڑ دیا گیا تھا) اور یہی سبق ہم نے ازبر کر رکھا تھا۔ ہاں تو بات ذرا دوسری طرف نکل گئی، تو میں کہہ رہا تھا کہ میں

اس جذبے سے سرشار میں چھوٹی بڑی درگاہوں پر ٹکریں مارتا رہتا تھا۔ مگر اپنے اللہ سے بغلیغیر نہ ہو سکا۔ دن گزرتے گئے۔ اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیطان انسان کے خون میں گردش کرتا رہتا ہے

”کہتے ہیں جس کو عشق، خلل ہے دماغ کا“

آخر ایک دن اس فانی دنیا کی جھوٹی لذات اور عیش و عشرت کی زندگی کو، میں نے خیر باد کہہ دیا اور حضرت داتا گنج بخش صاحب کے دربار پر جانے کا پروگرام بنایا۔ دل میں یہ فیصلہ کیا کہ جب تک داتا صاحب ولایت کی مہر نہیں لگا دیتے، واپس نہیں آؤں گا۔

داتا دربار کی طرف روانگی کیسے ہوئی؟ :

قرآن نے جس کو کھلا دشمن کہا ہے میں اس کے بنیوں میں اچھی طرح جکڑ گیا تھا۔ اور کچی بات ہے کہ اندر ہی اندر مجھے بشارتیں بھی ہونے لگیں تھیں، جو کہ شیطان کے وسوسے تھے کہ جلدی جاؤ تمہارا فیض وہیں کھلے گا وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں کے دل میں بھی میری عزت تھی۔ شب بیداری کے سبب لوگ مجھے کچھ کچھ ولایت کے عہدے پر فائز سمجھنے لگے۔ شاہ کوٹ (فیصل آباد پنجاب) میں ہماری آڑھت کی دکان بھی تھی۔ والد صاحب دکان پر تھے، میں نے والدہ سے اجازت لی۔ سناڑوں کے گھر میں ناز و نعم سے پلٹنے والے نے جب شاہانہ لباس اتار پھینکا اور فقیروں والا پھٹا پرانا لباس پہنا تو لوگ حیران تھے (لباس و خوراک کی نفاست پسندی کی وجہ سے والد صاحب کے دوست مجھے ”شہزادہ“ کہہ کر پکارتے تھے) میں سیدھا شاہ کوٹ والد صاحب کے پاس پہنچا اور اجازت مانگی۔ والد صاحب مجھے اس حالت میں دیکھ کر ششدر رہ گئے اور رو کر کہنے لگے : بیٹا!! اس طرح جا رہے ہو۔ میں نے کہا : ہاں فقیر بادشاہوں کے ہاں اسی طرح ہی جایا کرتے ہیں۔ والد صاحب نے اونچی اونچی رونا شروع کر دیا۔ مجھ سے بھی نہ رہا گیا، پاس بیٹھے لوگ بھی زار و قطار رونے لگے۔ بعض لوگ کہتے تھے : بھائی غلام محمد تو خوش قسمت ہے جس کو اللہ نے ایسا بیٹا عطا کیا ہے۔

آخر رونے دھونے کے بعد والد صاحب نے کہا: بیٹا ہم ولیوں کے ماننے والے ہیں اور داتا صاحب کے آرڈر پر تم جارہے ہو، میں تم کو اس نیک مقصد سے منع تو نہیں کرتا۔ (میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بھارت میں شروع ہو گئی تھیں جو میں اپنے بزرگوں کو بتا چکا تھا) ویسے تم جانتے ہو کہ میں تمہارے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتا۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے لیکن یہ فقیر تو اب جا ہی رہا ہے۔ شاہ کوٹ میں نو لکھ ہزاری کا مشہور دربار ہے، میں سیدھا دربار پر گیا، وہاں حاضری وغیرہ دی اور اپنی منزل کی جانب یعنی داتا دربار کی طرف چل دیا۔ اپنی ہوش میں لاہور کی طرف میرا یہ پہلا سفر تھا۔

یہ بات مشہور ہے کہ جب تک پیر کی صاحب کے دربار پر حاضری نہ دی جائے داتا صاحب اپنے ہاں کسی قسم کی حاضری قبول نہیں کرتے۔

دربار پر حاضری :

حسب رسم میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر میں داتا دربار پہنچا اور جاتے ہی قبر مبارک پر سجدہ ریز ہو گیا۔ میں اونچی اونچی رو رہا تھا، اتنے میں ایک باوا صاحب آئے، مجھے پکڑا اور تسلی دینے لگے۔ میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ بس پھر کیا تھا!!

نک نک دیدم..... لب نہ کشیدم

قبر مقدس کو دیکھتا رہتا اور چپ رہتا۔ کچھ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کا مقرب بننے کے لئے کیا کیا پاؤں میلنا پڑتے ہیں!! نفس سے زبردست ”جہاد“ کرنا پڑتا ہے، سو میں نے بھی ریسرسل شروع کر دی، اس جہاد کی..... جون جولائی کی کڑکتی دھوپ میں ایسا جہاد کرنے والے ہی اس کی حقیقت جان سکتے ہیں، دوسروں کو کیا معلوم!

”جس تن لاگے سو ہی جانے“

صوفیا کرام فرماتے ہیں: شیرنی کا دودھ خالص سونے کے برتن کے علاوہ اور کسی برتن میں نہیں ٹھہرتا، برتن ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے جس سینے میں معرفت کا علم داخل کرنا ہو

‘پہلے اسے صاف اور سونے کی طرح خالص کرنا پڑتا ہے۔ اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو پہلے گندگی سے پاک صاف کرنا ضروری ہے‘ جس کے لئے کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازمی شرط ہے۔ یہاں معرفت الہی کو شیرنی کے دودھ سے تشبیہ دی گئی ہے‘ تو میرے سامنے بھی میرے ہی گاؤں کی ایک زندہ مثال تھی۔ ہمارے گاؤں کے ایک بزرگ ہیں‘ انہوں نے بارہ برس تک روٹی نہیں کھائی اور سوکھ کر کاٹا بنے ہوئے تھے۔ اور دور حاضر کے اولیاء و صوفیاء کے نزدیک مقام خداوندی تک پہنچ چکے تھے۔ مشہور ہے ”راہنچار انجھا کر دی میں آپے را انجھا ہوئی“ یعنی جو بندے اس قدر زیادہ اللہ اللہ کرتے ہیں‘ ایک وقت آتا ہے کہ وہ خود خدا کا روپ ہو جاتے ہیں۔

حضرت کے ذکر کی تپش :

اسرار خداوندی سے واقف حضرات اس بات کو خوب جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ علی احمد صابر کلیر شریف والے مقام خداوندی پر فائز تھے۔ مشہور و معروف واقعہ جو ان سے منسوب ہے‘ وہ مختصر کچھ یوں ہے کہ :

انہوں نے چھتیس برس ایک جنگل میں بغیر کھائے پئے گزار دیئے۔ وہ اس قدر یاد الہی میں مشغول رہے کہ کھانے پینے کا ہوش نہ رہا۔ بارہ بارہ میل تک چاروں طرف ان کے (ذکر الہی) کی تپش محسوس کی جاتی تھی۔ اور اگر کوئی پرندہ ان کے سر کے اوپر سے بھی گزر جاتا تو جل کر نیچے گر جاتا۔ آپ ایک گھر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر وظیفہ کیا کرتے تھے۔ چھتیس برس وہاں رہے۔ اس درخت کی ٹہنیاں اور جڑیں وغیرہ آپ کے سارے جسم کے گرد لپٹ چکی تھیں۔ پھر آپ کو واپس لانے کا قصہ بڑا طویل ہے۔ بہر حال جب واپس آئے تو ان کی شادی کر دی گئی۔ آپ کی بیوی جب آپ کے پاس آئی اور کہا : میں آپ کی بیوی ہوں۔ تو حضرت فرمانے لگے : اللہ میاں کی بھی کوئی بیوی ہوتی ہے ! وہ کہنے لگی : جی آپ اس طرح تو مذاق نہ کریں‘ میں واقعی آپ کی بیوی ہوں۔ حضرت صاحب نے جب جلال میں آکر

ان کی طرف دیکھا تو وہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئی۔ (یہ ہے مقام خداوندی) سمجھ دار عورتیں شادی سے پہلے خوب جان لیا کریں کہ موصوف کہیں اس مقام پر تو فائز نہیں ہے..... بصورت دیگر.....)

رہبانیت کی انتہا :

ہاں تو میں بھی اس جہد مسلسل میں لگا رہا۔ اب خوراک کا یہ عالم تھا کہ دن میں کبھی کبھار چند ایک پنے کے دانے کھاتا اور دو گھونٹ پانی پی لیتا۔ یوں تو وہاں کھانے پینے کی چیزوں کی کوئی کچ نہیں تھی۔ لوگ میرے قریب انواع اقسام کی مٹھائیاں اور کھانے لا کر رکھ دیتے لیکن میں کبھی آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہیں دیکھتا تھا، کیونکہ میری دنیا ہی کچھ اور تھی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے، سترہ یا اٹھارہ دن بعد مجھے رفع حاجت ہوتی تھی۔ اب رونا دھونا اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ میری آنکھوں کا پانی تک خشک ہو گیا، مگر میں پھر بھی شکست ماننے والا نہ تھا۔ گرمی اور خشکی کے سبب نیند بالکل ختم ہو چکی تھی۔ میرے علاوہ قبر مبارک کے قرب و جوار میں اور لوگ بھی چلہ کشی میں مصروف رہتے تھے۔ مگر میرا مسئلہ ان سب پر سبقت لے گیا تھا۔ اب وہ سارے لوگ بھی مجھے ایک پہنچا ہوا بزرگ خیال کرنے لگے۔ چھوٹی عمر میں کوئی بڑی بات ہو جائے تو حیرت تو ہوتی ہی ہے۔ میری عمر بھی کچھ زیادہ تو نہ تھی، ابھی داڑھی بھی ٹھیک سے نہ اتری تھی۔ کہ میں معرفت کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔ مزار پر لوگ حاضری دینے تو آتے ہی تھے کوئی کچھ مراد لے کر آتا اور کوئی کچھ۔ کیونکہ اکثر لوگوں کی مرادیں تقریباً ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں اور وہ پوری بھی وہاں ہی ہوتی تھیں۔

حضرت معین الدین چشتی اور ایک فاحشہ عورت :

(سینہ بسینہ علم سے) ایسا ہی ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی داتا صاحب کے دربار پر حاضری دینے کے لئے آئے تو میری طرح دیدار چاہتے تھے

جو مشکل دکھائی دیتا تھا۔ کافی دن گزر گئے مگر کوئی بات نہ بنی۔ دیکھتے کیا ہیں! ایک بد کردار عورت آئی اور سلام کی رسم سے فارغ ہو کر کہنے لگی: ”داتا میرا ملا دے۔ اگر میرا یار نہ ملا تو داتا تیری قسم میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی۔“ اب کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا آشنا وہاں آجاتا ہے اور اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اسے لے جاتا ہے۔ خواجہ معین الدین یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے!! ننناک آنکھوں سے مزار اقدس کی طرف منہ کر کے کہتے ہیں: ایک عورت ابھی آئی اور اپنا مقصد پا کر چلتی بنی، میں کئی دنوں سے یہاں دیدار کو ترس گیا ہوں، نہ جانے مجھ سے کون سی غلطی ہوئی ہے، تو قبر مبارک سے آواز آئی: معین الدین! اس عورت کا یقین بہت پختہ تھا اس لئے میں نے اس کو جلدی فارغ کر دیا۔ ٹو تو ہمیں بہت اچھا لگتا ہے اس لئے یہاں کچھ دن اور رک جاؤ، تو انہوں نے یہ شعر کہا:

گنج بخش فیض عالم مظهر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

لوگ میرے پاس آکر پوچھتے تھے: بھائی کیا معاملہ ہے؟ کوئی لڑکی وغیرہ کا چکر تو نہیں ہے۔ کہیں شادی کروانے کو جی چاہتا ہے یا عشق و محبت کا کوئی مسئلہ ہے.....؟ ویسے کوئی فکر نہ کرو داتا سب کی سنتا ہے۔ میں کہتا: بھائی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر اس طرح کا کوئی چکر ہوتا تو حل ہو گیا ہوتا، میری دنیا کوئی اور ہے۔ تو وہ ہنس کر چل دیتے۔ اب رفتہ رفتہ میں وہاں کے لوگوں میں کافی مشہور ہو گیا۔ بڑے بڑے رگ اور عمر رسیدہ حضرات میرے پاس آکر رو پڑتے۔ کہ جناب ہمارے لئے بھی کوئی دعا کرو۔ میں کہتا: یارو! اگر میری دعا میں کوئی اثر ہوتا تو میں اپنے لئے نہ کر لیتا۔ مگر وہ کہاں سنتے تھے۔ کہتے تھے: میں تو خاصان خاص میں سے ہوں۔ بس ہمارے لئے دعا کر دیں۔ میں تنگ آکر کہتا: مجھے تو خود کسی کی بد دعا لگی ہوئی ہے، میں تمہارے لئے کیا کروں..... تو وہ میری اس بات کو بھی شان بے نیازی سمجھ کر مسکرا دیتے (کسی نے یونہی تو نہیں کہا کہ ”مشرک دی مت مری ہندی اے“)

جب تک داتا قبر سے نکل کر بغل گیر نہ ہوگا.....

ایک بڑے میاں سے وہاں علیک سلیک ہو گئی، باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا: میں کئی سالوں سے یہاں رہ رہا ہوں (مجھے بھی امر ہوا تھا) میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ داتا صاحب قبر سے نکل کر مجھ سے بغل گیر نہیں ہو جاتے۔ بے ساختہ میری زبان سے نکل جاتا ”واہ سبحان اللہ“ داتا، داتا ہی ہے۔ اور پھر فرط جذبات سے میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے۔ میں اکثر حالت استغراق میں رہتا اور وہ بابا بھی کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ جاتے۔ ایک دن وہ سو رہے تھے کہ کسی نے ان کی طلائی گھڑی چرائی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو کہنے لگے: میری گھڑی کسی نے چرائی ہے۔ میں نے کہا: آپ کو پتہ نہیں چلا؟ کہنے لگے: نہیں! بس سوتے ہوئے کام ہو گیا (وہ بھی پہنچے ہوئے ولیوں میں سے تھے) میں نے کہا: کوئی بات نہیں داتا اور دے دے گا، یہ کہہ کر میں پھر یار کے نام کی مالا چنے لگا۔ گاؤں کے اکثر لوگ میرے پاس آتے اور مجھے دیکھتے ہی رونا شروع کر دیتے، کیونکہ میری حالت بھی قابلِ رحم ہو گئی تھی۔ میرے والد صاحب کچھ دنوں کے بعد آتے اور مجھے اچھے اچھے کپڑے اور روپے پیسے دے کر چلے جاتے۔ جب وہ جاتے تو میں وہ کپڑے اور روپے غریبوں کو دے دیتا، یا پھر وہاں رکھے ہوئے گھے میں ڈال دیتا اور خود وہاں بیٹھا روتا رہتا۔ جب والد صاحب دوبارہ آتے تو میں انہیں پہلے سے زیادہ کمزور دکھائی دیتا۔ وہ کہتے: بیٹا کچھ کھایا یا کرو۔ لیکن مجھے کھانے پینے کا ہوش کہاں تھا؟

ایک دن میرا بڑا بھائی میرے پاس آیا اور مجھے دیکھ کر اس قدر رویا کہ ہنسی بندھ گئی۔ کہنے لگا: اب گھر چلو۔ میں نے کہا: ابھی امر نہیں ہے، تم جاؤ۔ اب تو میں اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے بھی بے نیاز ہو گیا۔ ہمارے رشتہ دار آتے، جھک جھک کر سلام کرتے مگر مجھے کسی کا ہوش نہ تھا۔ بس ایک ہی لگن تھی کہ پیر کامل بن کر ہی جاؤں گا۔ کیونکہ پیر کامل خدا کا روپ سمجھا جاتا ہے۔ ولیوں کی بڑی شان ہے اور ان کے ہاں ایک لمحہ گزارنا بھی سو سال کی

عبادت سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ شعر بہت مشہور ہے کہ :

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ اطاعت بے ریاء

منزل کی قربت کا اشارہ ہوا مگر ابھی تو وہ بہت دور تھی :

میرا زیادہ تر وقت اولیاء کے سائے تلے ہی گزرتا تھا۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی۔ ایک دن ہلکی سی بھارت ہوئی کہ مکی شاہ صاحب کے دربار پر حاضری دو۔ دل میں سوچا کہ نمبر آنے والا ہے اور منزل قریب ہو گئی ہے۔ جانے کے لئے اٹھا تو تو میری جوتی غائب تھی۔ میں اسی طرح پیدل ہی چل دیا، سورج نصف النہار پر اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور سڑکیں آگ آگل رہی تھیں۔ میں دنیا سے بیزار تپتی ہوئی ننگی سڑکوں پہ ننگے پاؤں چل رہا تھا پاؤں سلگ رہے تھے مگر انجام سے بے خبر چلتا رہا۔ پیر مکی صاحب کے دربار کے پچھلی جانب ایک چھوٹا سا قبرستان ہے۔ جب میں وہاں پہنچا تو قبرستان میں بیٹھے ہوئے ایک بہت موٹے تازے ملنگ نے اونچی آواز میں مجھے میرا نام لے کر پکارا۔ میں حیران تھا.....! انہوں نے کہا: جلد آجا، میں تیرا ہی انتظار کر رہا ہوں۔ (بعد میں پتہ چلا کہ ولایت کی دھاک بٹھانے کے لئے ایسے کاموں کے لئے باقاعدہ خفیہ ایجنٹ رکھے ہوئے ہیں)

کانٹوں پہ چلتی ہوئی آئی تیرے گاؤں میں

دیکھ لم تیری قسم چھالے پڑے پاؤں میں

میں نے دل میں کہا کہ بزرگ دلوں کا بھید جانتے ہیں۔ جب میں ان کے قریب گیا تو عرض کی: کیا حکم ہے بلا حضور میرے لئے؟۔ انہوں نے کہا: ابھی آرڈر نہیں ہے۔ مکی صاحب نے حکم دیا ہے کہ اسے وہیں روک دو، یہ آگے نہ آئے، میں بہت رویا سوچا کہ ابھی منزل کچھ دور ہے۔ کیونکہ سنا ہے کہ جب عشق ہائی ڈگری پہ پہنچا ہو تو معشوق قریب نہیں

آنے دیتے، خواہ کتنے ہی دکھ اٹھائے ہوں۔ تو میں نے بھی یہی خیال کیا کہ اپنا عشق بھی اس وقت سدرة المنتہی تک پہنچا ہوا ہے اور مکی شاہ صاحب نے اسے بذریعہ بشارت اطلاع کر دی ہوگی۔

ولی کامل بننے کے لئے ابھی جھاڑو دینے اور حضرت کا تھوک کھانے کی منزلیں باقی تھیں :

اب میں نے عرض کی : حضرت صاحب اب مجھے کیا کرنا ہوگا.....؟ انہوں نے کہا : جھاڑو پکڑو اور قبرستان کی صفائی شروع کرو۔ میں نے دو تین گھنٹے خوب کام کیا اور قبروں کی صفائی وغیرہ کر دی۔ پھر ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا۔ آقا! اب کیا حکم ہے؟ انہوں نے ایک پیالی میں تھوکنہ شروع کر دیا، جب پیالی آدھی ہو گئی، تو فرمانے لگے : لو! اسے پی جاؤ..... اب میں جانتا تھا یا میرا خدا کہ میری کیا حالت ہوئی۔ مگر معرفت میرے جسم میں رچی بسی تھی۔ سوچا کہ یہ میرا امتحان ہے۔ یہ بھی سن رکھا تھا کہ بزرگ چاہیں تو چاولوں کو کٹرے اور گندگی کو مٹھائی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ شاید یہ بھی کوئی اسی طرح کا ہی کوئی معاملہ ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، مجھے اسی پر گزارا کرنا پڑا، جیسے تیسے کر کے نگل گیا۔ (یا اللہ جہنم کی خوراک دنیا میں کھالی، آگے معاف کر دینا) زیادہ کام کی وجہ سے میں کچھ تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ چاہتا تھا کہ تھوڑا سا آرام کر لوں لیکن بلا حضور نے ایک اور ڈیوٹی میرے ذمہ لگائی۔ فرمانے لگے : یہ گھڑا پکڑو اور درختوں کو پانی دو۔ دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ طارق میاں! کہاں پھنس گئے ہو!! لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور لا حول پڑھا، اور نئے جذبے کے ساتھ گھڑا پکڑا اور پانی بھرنا شروع کر دیا۔ اور یہ بات تو مجھے معلوم ہی تھی کہ :

نماز شرع میں اٹھنا بیٹھنا تو ہے لازم

نماز عشق میں دم بھر کہیں قیام نہیں

میرے سر پر پانی کا گھڑا۔ پاؤں ننگے اور جلتی سڑکیں تھیں۔ جس کی وجہ سے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ مگر ”نگاہ عشق و مستی“ میں ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ میں گھڑا ہاتھ میں پکڑ کر چل رہا تھا اور اپنے آپ سے باتیں کرتا جا رہا تھا کہ طارق یہ بھی تیری خوش قسمتی ہے کہ تجھے کئی شاہ صاحب کا ماشکی بننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے!!! اب میں تھا..... یا..... پانی والا گھڑا تھا۔ (یہ گھڑا سوہنی کے گھرے کی طرح کچا نہیں تھا جو ٹوٹ جاتا ہوا مضبوط تھا) میں نے دو تین گھرے ایک درخت کے گرد بنے دائرے میں ڈال دیئے، مگر وہ چھوٹا سا دائرہ بھرنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

میں نے آٹھ دس گھرے اور ڈال دیئے۔ یہ چھوٹا سا درخت وہ بھی پی گیا۔ میں بہت حیران ہوا!! کیونکہ میں اسے بھی ایک بہت بڑی کرامت سمجھ رہا تھا۔ ویسے میرا جسم میرا ساتھ چھوڑ گیا۔ اور میری ٹانگیں بھی لڑکھڑانے لگیں۔ میری یہ حالت دیکھ کر بلا حضور نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر فرمانے لگے: اب بس کرو۔ میں نے گھڑا رکھ دیا۔ اور عرض: کی یا حضرت اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ کہنے لگے: اب تم ذرا آرام کر لو..... شام ہونے کو تھی، جوں جوں اندھیرا بڑھتا جاتا مجھے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا۔ مگر پھر میں نے دل کو تسلی دی کہ تیرا تو بال بھی بیسکا نہیں ہو سکتا۔ جانتا نہیں تو داتا صاحب کا بندہ ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ قبرستان کے گرد چار دیواری ہے جس کے ساتھ گندے پانی کا نالہ گزرتا ہے، اور وہ سارا پانی جو میں درختوں کو ڈالتا تھا اس نالے میں گرتا جاتا تھا۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھی۔ آخر رات گہری ہوتی گئی، میں بلا حضور سے پوچھتا: کہ اب اجازت ہوئی ہے یا نہیں، کیونکہ میں دربار پر سلام کرنا چاہتا تھا، تو وہ لمحے بھر کے لئے خاموش ہو جاتے اور جس طرح ٹیلیفون کرتے وقت ہیلو ہیلو کرتے ہیں، اسی طرح وہ ہیلو ہیلو کرتے اور مجھے یوں معلوم ہوتا جیسے وہ کسی صاحب سے کال ملا رہے ہوں۔ میں کھڑا انتظار کرتا اور انتظار تو آپ جانتے ہی ہیں کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ بہر حال وہ مجھے کہتے: ابھی آرڈر نہیں ہوا۔ میں تھوڑی دیر بعد پھر سوال کرتا۔ وہ پھر اسی طرح ٹیلی فون کرتے اور میں شدت کے ساتھ اپنی باری کا انتظار

کرنے لگتا۔ مگر

پھر میری آس بندھا کر مجھے مایوس نہ کر
عشق کو عشق سمجھ مشغلہ دل نہ بنا

والی بات ہو جاتی۔ اور وہ کہتے : ابھی آرڈر نہیں ہوا۔ میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ جاتا۔ اور اپنے آپ کو کونسنے لگتا۔ اور کہتا کہ طارق تیرے ہی عشق یا عقیدت میں کوئی کمی رہ گئی ہے جو حاضری قبول نہیں ہو رہی۔ ہجر کا درد اور وصال کا شوق مجھے کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا۔ میں تنگ آکر پھر سوال داغ دیتا اور کہتا کہ : قبلہ ذرا ٹیلیفون کر کے پتہ کرنا اور مکی شاہ صاحب سے عرض کرنا کہ مجھے آگے آنے کی اجازت دی جائے۔ اس پر وہ حضرت مجھے بری طرح ڈانٹ پلاتے اور غصے سے لال پیلے ہو کر کہتے : وہاں تو چڑی بھی نہیں پھٹکتی، وہاں تو کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ کہیں تو ولایت سے میرا پتا بھی نہ کٹوا دینا۔ خاموش رہو.....! میں مارے ڈر کے سسم جاتا۔ داتا صاحب کے دربار پر تو میں اپنے آپ کو جبراجاگنے پر مجبور کرتا تھا، مگر یہاں تو نیند بالکل ہی اچاٹ ہو گئی تھی۔ اب بابا حضور نے مجھے حکم دیا : سو جاؤ.....! نہ کوئی چارپائی اور نہ کوئی بستر دیا۔ فرمانے لگے : قبر کے ساتھ ہی زمین پر لیٹ جاؤ..... ”حکم حاکم مرگ مفاجات“ میں لیٹ گیا۔ مرنے کے بعد پتہ نہیں قبر نصیب ہوگی کہ نہیں زندگی میں ہی میں نے قبر کا نظارہ کر لیا۔ اب نیند مجھ سے کئی کوس دور تھی۔ آنکھیں ٹیلیفون کے انتظار میں کھلی تھیں :

مرنے کے بعد بھی میری آنکھیں کھلی رہیں
عادت جو پڑ گئی تھی تیرے انتظار کی

ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی، علی الصبح پیر و مرشد نے پھر کھڑا کر لیا اور صفائی وغیرہ پر مامور کر دیا۔

باباجی کے احکامات

باباجی اپنے تخت پر بیٹھے بیٹھے مجھے مختلف قسم کے احکامات صادر کرتے تھے جن پر مجھے ہر حال میں عمل کرنا ہوتا تھا۔ بصورت دیگر مستقبل میں حاصل ہونے والی ولایت سے ہاتھ دھونا پڑتے۔

پہلا حکم!..... مجھے غسل دو :

صفائی سے فارغ ہوا تو باباجی نے پانی لانے کو کہا۔ میں پانی لے آیا انہوں نے حکم دیا کہ مجھے نہلاؤ۔ میں نے خوب اچھی طرح حضرت صاحب کو غسل دیا۔ سورج کی کرنیں اپنی تیز روشنی سے اجالا پھیلانے لگیں۔ کچھ دیر بعد وہاں لوگ آنے شروع ہو گئے، اپنی اپنی حاجات پیش کرتے اور من کی مرادیں پا کر واپس چلے جاتے، مگر اپنے من کی دنیا تو بدستور ویران تھی۔ کچھ دن اسی طرح گزر گئے، میں اسی طرح روتا دھوتا رہا مگر امر نہ ہوا۔ مگر پھر بھی میرے شوق وصال میں کوئی فرق نہ آیا۔ کچھ لوگ آکر مجھے کہتے: باباجی کی خدمت کرو۔ تر جاؤ گے۔ بہت کچھ ملے گا۔ لوگ بھی کبھی بابا حضور سے چھیڑ چھاڑ کرتے تو وہ بہت گندی گندی گالیاں دیتے۔ اور گالیاں بھی ایسی دیتے کہ سننے والا انسان غیرت سے مرجائے۔ مگر وہاں بے غیرت ہو کر رہنا ہی باعث سعادت سمجھا جاتا ہے۔ کچھ اس قسم کی عنایات کی بارش عموماً مجھ پر بھی ہوتی رہی تھی۔ وہ جتنی گالیاں دیتے لوگ سمجھتے کہ ان کا کام اتنا ہی پختہ اور جلدی ہو جائے گا۔ وہ لوگ کہتے تھے: بابا حضور کی گالیاں تو جنت کا ٹکٹ ہوتی ہیں (یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لوگ درپردہ بابا سے ملے ہوئے تھے) ویسے ایک گھر وہاں ایسا تھا جو بابا کو بھی گالیاں دیتا تھا۔ اور باباجی اس گھر کے افراد سے کچھ کئی کتراتے تھے۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ بابا حضور کی برداشت ہے۔ ورنہ یہ انہیں ایک ہی نظر سے زندہ جلا سکتے ہیں۔ بہر حال میں بھی انہیں اولیاء کا گستاخ کہہ کر دل کو تسلی دیتا تھا۔ ایک دفعہ آدھی رات گزر چکی تھی کہ مجھے

فرمانے لگے: پانی لا کر مجھے نہلاؤ۔ میں نے انہیں نہلایا۔

دوسرا حکم!..... بلیوں کا پچہ بلیوں والی سرکار کے پاس چھوڑ کر آؤ:

نہلانے کے بعد ایک ٹلی کا پچہ میاؤں میاؤں کرتا آیا۔ مجھے حکم ملا: اسے پکڑو اور بھائی دروازہ جا کر بلیوں والی سرکار کے ہاں چھوڑ آؤ۔ میری جانے بلا کہ بھائی دروازہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کی: یا سرکار! بھائی دروازہ کدھر ہے.....؟ انہوں نے تھوڑی بہت نشان دہی کی۔ جب میں گلیوں سے ہوتا ہوا سڑک پر پہنچا تو اب سڑک عبور کرنا تھی۔ میں ٹریفک کی پرواہ کئے بغیر چلنے لگا تو ایک آدمی نے بازو سے پکڑ کر کہا: ارے خود کشی کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا: کیوں کیا بات ہے؟..... بہر حال اس نے مجھے سڑک پار کروائی۔ میں نے اس سے پوچھا: بھائی کدھر ہے۔؟ کہنے لگا: اتنے بڑے ہو گئے ابھی تک بھائی کا بھی پتہ نہیں چلا۔ اسے کیا پتہ تھا کہ گرمی اور خشکی سے اور اس جبر مسلسل کی وجہ سے میرا کیا حال ہے۔ بہر حال پوچھتا پوچھتا میں ٹلی کا پچہ چھوڑ کر واپس آگیا۔ بلایا کہنے لگے کہاں مر گئے تھے اتنی دیر کیوں غیر حاضر رہے؟ میں نے عرض کی: آقا! آپ نے ہی تو بھائی دروازہ بلیوں والی سرکار کے پاس بھیجا تھا۔ کہنے لگے: اچھا ٹھیک ہے۔ اب تم راوی دریا پر جاؤ۔ میں نے عرض کی: مرشد راوی کدھر ہے؟ مجھے واقعی کچھ پتہ نہ تھا۔ کہنے لگے: اچھا اب قبر کے ساتھ جا کر لیٹ جاؤ۔ میں لیٹ گیا۔ چھوٹے چھوٹے سانپ میرے اوپر نیچے دوڑتے پھرتے۔ میں مارے ڈر کے کانپ اٹھتا۔ وہ بلا حضور ہنسنے لگتے۔ پھر انہیں مخاطب کر کے کہتے: بھئی اسے تنگ نہ کرو۔ یہ اپنا ہی آدمی ہے۔ اوریوں وہ مجھ پر اپنی کرامت کا ڈول ڈالتے۔ اس پر میرا ایمان بلابلی کے اوپر اور بھی پکا ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ سارا مدار یوں والا کھیل تھا۔ ایک دن میں نے عرض کی کہ: حضرت صاحب اب میری منزل کتنی دور ہے؟..... فرمانے لگے: میرا معاملہ مکی شاہ صاحب کے پاس ہے۔ آگے وہ جانیں اور ان کا کام۔ مجھے توجہ حکم ملا تھا تمہیں بتا دیا۔

تیسرا حکم!..... میرا فضلہ اٹھاؤ! :

”اچھا اب تم یہ گندگی اٹھاؤ اور باہر پھینک دو۔“ انہوں نے اپنے نیچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا تھا کہ بابا حضور اتنے موٹے ہو گئے تھے کہ ایک قدم چلنے کے بھی قابل نہ تھے۔ اور جس لکڑی کے پھٹے پر جلوہ افروز تھے اسے درمیان سے کاٹ کر سوراخ کیا ہوا تھا اور یہیں سے ٹٹی پیشاب کرتے تھے۔ بلا خور اور بلا نوش ہونے کی وجہ سے اجابت با فراغت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے گندگی کا کافی بڑا ڈھیر ان کے نیچے لگا ہوا تھا۔ جس میں زہریلے کیڑے مچھو وغیرہ پرورش پا رہے تھے۔ (تاجدار مدینہ نے فرمایا ہے ناکہ شیطان ہمیشہ جگہوں پر وارد ہوتے رہتے ہیں

(ابو داؤد: کتاب الطہارۃ باب ما یقول الرجل اذا دخل الخلاء)

مگر مجھے اس وقت معلوم نہ تھا) بہر حال میں نے حکم کی تعمیل کی۔ یہ بات تو خیر میں نے پہلے سے سن رکھی تھی۔ کہ بزرگ آزمانے کیلئے گندی چیزیں کھانے کا بھی حکم دیتے ہیں۔ اگر کھالی جائیں تویر دلا پار، اگر نفرت کی جائے تو آدمی ولایت کی گاڑی سے رہ بھی جاتا ہے۔ یہ سنا بھی تھا اور اس سے پہلے کچھ عمل بھی کیا تھا۔ بہر حال میں وہ گندگی صاف کرنے لگا۔ اپنے ہاتھوں سے وہ ساری ٹٹی میں نے صاف کی۔ اور اگر وہ حکم دیتے تو میں گندگی کھانے سے بھی گریز نہ کرتا۔ جو حضرات اس شر معرفت کی سیر کرنا چاہتے ہیں، یاد رکھیں کہ پہلے ان کا ایسے حالات سے گزرنا ناگزیر ہے، بصورت دیگر اولیائی کی گیڈر سینگھی ہاتھ نہیں لگے گی، جو حضرات ایسا کر سکتے ہیں وہ بخوشی اس میدان میں اتریں۔ وگرنہ..... :

جس کو ہو جان و دل عزیز

وہ اس کی گلی میں جائے کیوں

شاید بابا حضور بھی عصمت و عزت کی چادر اتار کر ہی اس منزل تک پہنچے ہوں گے اور جب پہنچ چکے تو دیکھو کس طرح اپنے تخت پر براجمان ہو کر لوگوں کی قسمت کے فیصلے کرتے

ہیں۔

عجیب تبرک :

یہاں ایک اور بات عرض کر دوں کہ بلیا حضور کبھی کبھی سوائے قمیض کے اور کوئی کپڑا نہیں پہنتے تھے۔ اور جو بھی مرد و زن یہاں آتے وہ بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ لوگ حضرت کے ننگے بدن سے چیزیں لگا کر کھاتے۔ یا تبرک سمجھ کر گھروں میں لے جاتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ بامراد واپس جارہے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کی اکثریت کو کہیں جاہل اور کہیں بے علم کہا ہے۔ اب بھی اکثریت کی حالت دیکھ کر رونا آتا ہے۔ بقول شاعر

سوچتا ہوں روؤں دل کو کہ پیٹوں جگر کو میں

مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

اے اللہ! تیرا شکر ہے، بے حد احسان ہے تیرا کہ تو نے مجھے توحید کی سمجھ عطا کر دی،
وگرنہ

”نہ خوش ہے یہ جہاں مجھ سے، نہ خوش ہے وہ جہاں مجھ سے“

والی بات ہوتی۔ دنیا اور آخرت میں ملعون ہو جاتا۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حضرت صاحب مجھے گندگی کھانے کا امر بھی کرتے تو میں گریز نہ کرتا کیونکہ میں تو ہر قیمت پر وہ مقام حاصل کرنا چاہتا تھا، جہاں ”قم باذنی“ اور ”قم باذن اللہ“ میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

حصول ولایت کے لئے میں اپنے گوشت کا نذرانہ دینے پر بھی تیار بیٹھا تھا..... مگر.....؟

اہل معرفت و طریقت پر یہ خیال غالب ہے اور اس بات پر ان کا ایمان ہے کہ جو شخص اس ولائ کی اڑن طشتری پر بیٹھ جاتا ہے پھر تقدیر کا حکم اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ

جو چاہے تقدیر لکھ دے اور جب چاہے اللہ تعالیٰ کے لکھے کو منادے۔ اور میں اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے کو تیار تھا۔ اسی خیال سے میں نے ایک دن چھری پکڑی جو بلا مرشد کے پاس پڑی ہوئی تھی اور عرض کی: قبلہ! اگر حکم کریں تو میں اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر پیش کروں۔؟؟..... اور اگر ارشاد کریں تو میں اپنی آنکھیں نکال کر حضور کو پیش کروں۔ آپ ایک بار کوئی قربانی مانگیں تو سہی.....!!..... (کیونکہ میں جانتا تھا کہ وفا کی دنیا میں اپنے آپ کو سچے عاشق یا مجنوں ظاہر کرنے کے لئے ران کا گوشت تو دینا ہی پڑتا ہے، جس طرح لیلیٰ مجنوں کا قصہ مشہور ہے) تو اس پر میرے قبلہ مسکرانے لگے۔ اور فرمایا: تو نے منزل پالی۔ تو نے منزل پالی۔ میں بہت خوش تھا۔ پھر میں نے عرض کی کہ: بلاباجی! اب ٹیلیفون کر کے پتہ کریں۔ اور عرض کریں کہ میں اب آسکتا ہوں۔؟ تو وہ فرمانے لگے: وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں مگر ابھی اجازت نہیں ہوئی۔

چوتھا حکم!..... بھکاری بن کر بھیک مانگو! :

اس طرح کئی دن گزر گئے۔ ایک دن کہنے لگے: اونے۔ ادھر آ۔ میں دوڑ کر گیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، تو حکم ہوا کہ یہ پیالہ لو۔ اور لوگوں سے بھیک مانگنے کے لئے جاؤ!!! پہلے تو خوف سے صرف مانگیں ہی کانپ جایا کرتی تھیں..... اب سارا جسم تھر تھر کانپنے لگا..... آنکھیں بے نور سی ہونے لگیں۔ اس سے پہلے جتنی صعوبتیں میں نے برداشت کی تھیں، یہ بات میرے لئے ان سب سے زیادہ تکلیف دہ تھی..... آج میں نے رونے کی انتہا کر دی۔ میں نے کہا: بلاباجی! اتنا تو ذلیل نہ کرو۔ مجھے زمین میں گاڑ کر کتوں سے نچوڑ دو..... مگر..... مگر مانگنے کے لئے نہ بھیجو۔ میں بلاباجی کے پاؤں پڑا..... ہاتھ جوڑ جوڑ کر منتیں کیں..... مگر وہ نہ مانے۔ کہنے لگے: اوپر سے یہی آرڈر ہوا ہے۔ یہ آخری سیڑھی ہے۔ دیکھ لو!..... میں نے ذلت کی اس کڑوی گولی کو امرت جان کر قبول کر لیا اور ولایت کے آخری سفر کی طرف چل دیا۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنا کاسہ بھیک کے لئے لوگوں کے سامنے

پھیلا یا..... بھکاریوں کی طرح پھرتا رہا..... مانگتا تو آتا نہیں تھا..... بس رورو کر ہلکان ہوتا رہا..... آج میں کھل کر رویا تھا..... آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے..... آج آنسو آنکھوں کا حلقہ توڑ کر سادہ بھادوں کی طرح برس رہے تھے..... یہی آنسو آج بارگاہ ایزدی سے کچھ پانے والے تھے..... میں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھلایا اور کہا: اللہ کریم! تو جانتا ہے کہ میری نیت کیسی ہے۔ تو مجھے اپنے بندوں میں شامل کر لے۔ جو صحیح راستہ ہے وہ عطا فرما دے۔ شاید یہی دعا میرے مولانا سن لی۔ اس ذلت آمیز سفر سے واپس لوٹا تو جو بھیک مانگ کر جمع ہوا تھا، لا کر بلا حضور کو پیش کر دیا، اور عرض کی: یا حضرت اب کیا حکم ہے؟ اس نے پھر گالیاں دینا شروع کر دیں اور تھکنانہ لہجے میں کہنے لگے: جو ہم کہتے ہیں وہی کرو۔

آخر کار۔ مایوس کن جگہ سے مایوس ہی لوٹنا پڑا:

میں نے عرض کی: بھابی! ابھی میری منزل کتنی دور ہے؟ کہنے لگے: اوپر سے ابھی کوئی آرڈر نہیں آیا..... تو میں شپٹا کر رہ گیا۔ میں نے کہا: حضرت صاحب وہ کونسی خدمت ہے جو میں جانیں لایا، وہ کونسی تکلیف ہے جو میں نے نہیں اٹھائی، وہ کونسا ظلم ہے جو میں نے اپنے اوپر روا نہیں رکھا۔ میں نے سنا ہے کہ راجھے نے ہیر کو پانے کے لئے کانوں میں چھید کروائے تھے تو اسے ہیر مل گئی تھی، تم میرے کان کاٹ لو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں مگر ساری عمر میں یہاں نہیں رہ سکتا، وہ کام بتائیں جو رہ گیا ہو، میں کرنے کو تیار ہوں، کوئی بڑی ہے بوی قربانی مانگو! پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ کہنے لگے: ابھی کوئی امر نہیں۔ میں نے کہا: کب تک امر ہوگا؟ کہنے لگے: چاہے ساری عمر لگ جائے.....!!! مجھے یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی۔ میں غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ اوہ بلا! تیرا بیڑہ غرق ہو جائے۔ تیرا ستیاناس ہو جائے، یہ کونسا طریقہ ہے کہ ساری عمر اسی دشت کی سیاحتی میں گزار دی جائے۔ پھر وہ مجھے سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا: بزرگوں کے در پر بیٹھ رہنا چاہئے۔ کبھی تو بوچھیں گے تو انا؟ میرے کہا: اگر اسی طرح بیٹھتا ہے تو پھر انے گھر نہیں بیٹھ سکتا، پھر

تمہارے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے۔؟ گھر میں ہی بیٹھ کر اللہ کو پکاریں گے، وہ جب بھی سنے گا۔ ٹھیک ہے۔ نہ سنے گا تو نہ سسی۔ اور یہ شارٹ کٹ تو اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ منزل پر جلدی پہنچا جائے۔ جب شارٹ کٹ کے باوجود بھی فاصلہ اتنا ہی رہنا ہے تو تم لوگ کس مرض کی دوا ہو؟..... لامیری چادر..... ذلیل انسان!..... (اس نے میری نئی چادر جو میرے کندھوں پر تھی، یہاں آتے ہی اتار لی تھی)

میں نے اس پر اب خوب غصہ نکالا۔ پہلے تو بات بات پر یہ حضرت گالیاں دیا کرتا تھا لیکن اب کیا مجال تھی کہ جو آنکھ بھی اوپر اٹھائے..... خاموش! جیسے ماں مر گئی ہو۔ میں نے اپنی چادر چھینی کیونکہ (شرافت سے دینے پر تیار نہ تھا) اور کہا: لو میں مکی شاہ صاحب جا رہا ہوں..... تم روک کر دکھانا..... بے غیرت انسان! تمہاری گندگی اٹھا اٹھا کر میرا دماغ خراب ہو گیا جو ابھی تک ٹھیک سے کام بھی نہیں کرتا۔ غرض میں اسی طرح بولتا ہوا مکی شاہ کے دربار پہنچا اور سلام وغیرہ کیا۔ روتا دھوتا رہا اور گلے شکوے کرنے شروع کر دیئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر سیدھا داتا صاحب کے دربار پر گیا اور جاتے ہی قبر سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں ایسے تڑپ رہا تھا کہ جیسے بن پانی مچھلی تڑپتی ہے۔ میں داتا صاحب سے پوچھتا تھا اور کہتا تھا کہ ”یاد ااتا..... مجھے ایک بار اپنی زیارت کرادو۔ اگر میں اس قابل نہیں تو کم از کم آواز دے کر یہی کہہ دو کہ ”طارق تیری حاضری قبول کر لی گئی ہے۔“ سارے لوگ آپ سے ملاقات کر کے جاتے ہیں۔ آپ سے باتیں کرتے ہیں، آپ ان کو امر دیتے ہیں۔ مجھ سے کیوں نہیں بولتے؟“ کئی روز اسی رونے دھونے میں گزر گئے مگر جواب نہ وارد۔ اب میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ ایک دن تنگ آکر میں نے کہا: داتا صاحب! میرے ساتھ کھری کھری بات کرو۔ صاف صاف کہہ دو۔ کہ میں تجھے کچھ نہ دوں گا۔ اگر سائل کو خیرات نہ دینی ہو تو کم از کم اسے اتنا تو کہہ دینا چاہئے کہ ”معاف کرو“..... مگر ساری باتیں بے سود ثابت ہوئیں۔ میں نے بڑی منت سماجت کی اور عرض کی: یاد ااتا! کچھ تو دو کچھ تو بولو!؟..... مگر وہاں تھا ہی کسا جو ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے کسا خوب فرما سے:

اِنْ تَذَعُوْهُمْ لَا يَتَعَصَمُوْا دُعَاءُكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ
(اے لوگو) اگر تم جو ان (قبر والوں) کو پکارتے ہو تو یہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور
(فرض کرو) اگر یہ سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ (فاطر ۳۵: ۱۴)

مگر میرا کیا واسطہ تھا قرآن سے، جو مجھے اس بات کا پتہ چلتا۔ واقعی کسی نے نہ سنی نہ جواب دیا۔ میں نے شکایت کیا: اے صاحب! ہر کام کے کچھ اصول ہوتے ہیں مگر یہاں تو بے اصولی کی حد ہو گئی ہے۔ بھلا گھر بلا کر کوئی کسی کو اس طرح ذلیل کرتا ہے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا؟..... جو مجھے اس طرح سوا کیا۔ اور ذلت کی کونسی گرائی ہے جس میں میں نہیں اترا۔ اے صاحب! آپ نے اور مکی شاہ صاحب دونوں نے مجھے کیا دیا ہے؟ کچھ تو جواب دو!!..... مگر وہ دونوں اللہ کے بندے اپنی قبروں میں سوئے ہوئے تھے، انہیں کیا پتہ کیا خبر؟ کہ باہر کون کون لوگ آکر کیا کیا فضول حرکات کرتے رہتے ہیں اور لوگ یہاں آکر کیا کیا گل کھلاتے ہیں؟ یہ تو قیامت کے دن ہی پتہ چلے گا جب وہ خود کہیں گے کہ کیا ہم نے آپ لوگوں سے کہا تھا کہ فوت ہونے کے بعد ہمیں پکارا کرنا؟..... یاد دماغنا؟ بہر حال میں بہت شرمندہ ہو کر اٹھا اور شکوے شکایات کرتا ہوا گھر واپس آگیا۔

آہ! لوگ میری پستی کو ولایت کی معراج سمجھ بیٹھے:

دل سے شرک کا بھوت ابھی ٹوٹا نہیں تھا۔ میرا رنگ بھوکا پیاسا رہ رہ کر زرد سا ہو گیا تھا۔ جب خون ہی نہ رہا تو رنگ تو زرد ہونا ہی تھا۔ اب لوگ مجھے دیکھ کر سبحان اللہ۔ سبحان اللہ پڑھ رہے تھے۔ کوئی میرے ہاتھ چوم رہا تھا۔ کوئی پاؤں پڑ رہا تھا اور کوئی یہ کہہ رہا تھا: سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا ہے۔ مگر کون جانے اور کسے معلوم کہ یہ نور مجھے کن کن خرافات سے گزرنے کے بعد ملا تھا۔ وہ میری زرد رنگت کو چہرے کا نور سمجھ رہے تھے۔

اب یہاں صورت حال یہ تھی کہ کہیں لاؤڈ سپیکر چل رہے ہیں، کوئی میرے ولی بن جانے کی خوشی میں دتلیں چڑھا رہا ہے، کوئی حاجت روائی کے لئے پاؤں پڑ رہا ہے اور کوئی دعا

کے لئے منتیں کر رہا تھا..... اب میں کھیانی بلی کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کیا کروں؟ کیونکہ مجھ میں ولی اللہ والی کوئی بات تو ہے نہیں..... اب ان لوگوں کو کیا کہوں؟ ایک آیا اور کہنے لگا: باباجی! مجھے ایک لڑکی سے محبت ہے..... دعا کریں، یا کوئی تعویذ وغیرہ دے دیں..... بس میرا کام بن جائے۔ میں نے سوچا کہ نہ معلوم۔ معرفت کی دنیا میں شاید اسی قسم کا کورس کیا جاتا ہے کہ لوگ ہر جگہ اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں۔۔۔۔۔ سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ تھا کہ اب تک میری نیت خالص رہی تھی۔ میں لالچی۔ دھوکا باز اور مکار نہیں تھا۔ لوگ جس طرح مجھے ولی مان رہے تھے اور پوجا پاٹ تک تلے ہوئے تھے، میں تھوڑا سا ڈرامہ رچا لیتا تو آج ریل پیل ہوتی۔ لوگوں کا تو یہ حال تھا کہ ایک اچھا بھلا خاصا پڑھا لکھا سمجھ دار آدمی قرآن اٹھا کر کہنے لگا کہ: میں تو آپ کو ولی کامل مانتا ہوں۔ میں نے اسے کہا: نہیں بھائی ایسی کوئی بات مجھ میں نہیں ہے۔ مگر ان باتوں سے میں ان کے یقین کو نہ بدل سکا، وہ اسے میری کسر نفسی سمجھتے رہے۔

مایوسی کے بعد امید کی کرن..... :

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا، لوگ مجھے بہت کچھ سمجھ رہے تھے، مگر مجھے معلوم تھا کہ میں نے روحانیت کے نام سے اب تک جو کچھ کیا ہے، وہ سوائے کرتبوں کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اب مجھے اپنا وہ دہائی دوست یاد آنے لگا جس کا گھر ہمارے گھر کے ساتھ ہے۔ وہ میرا بچپن کا دوست تھا۔ جب میں گیارہویں شریف کا ختم ہوئے اہتمام کے ساتھ دلایا کرتا تھا اور اسے بھی اس ختم میں مدعو کرتا تھا، تو وہ بہت لیت و لعل سے کام لیتا تھا۔ جس پر میں اس سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتا اور اسے مزید غصہ دلانے کے لئے ”یا علی مدد“ کا نعرہ بلند کر دیتا، اس پر اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ جاتیں، اس پر میں اسے اور زیادہ جلی کٹی سناٹا! مگر وہ اس پر مجھے قرآن کی آیات اور احادیث سناٹا، شرک سے ڈراتا اور اللہ کی عظمت و جلال سے آگاہ کرتا اور میرے ہر نئے تکلیف دہ رویے پر وہ ہمیشہ درگزر سے ہی کام لیتا۔ اب ایک طرف اہل دربار

۱۰۔ اور اصحاب طریقت کی پستیاں تھیں، جن سے میں گزر چکا تھا۔ اور دوسری طرف یہ اعلیٰ کردار اور اخلاق!! ان سے اب میرے دل میں نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ لیکن بزرگوں کے ڈر سے اپنی نفرت کو دبائے ہوئے تھا مگر اب کے جب اپنے اس دوست کی باتوں پر غور کرتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میرے اندھیر سینے میں روشنی کی کوئی کرن داخل ہو جائے گی اور پھر ابھی تک میرے اس وہابی دوست نے بھی تو میری جان نہ چھوڑی تھی۔ یہ متواتر مجھے ہدایت کی طرف بلائے چلا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ میں آخر کار اللہ کریم کی توفیق سے ہی اس کی ذات اقدس سے ڈر گیا اور جو نئی اپنے رب سے ڈرنا تو غیر اللہ کا ڈر دل سے کافور ہو گیا۔ اللہ کریم نے میرے دوست عبداللطیف کی دعاؤں کو سن لیا جو وہ میری ہدایت کے لئے اس وقت سے کیا کرتا تھا جب میں میٹرک کے بعد ”ولایت کے باغ ارم کی سیر“ کے لئے درباروں کی طرف چل نکلا اور وہ قرآن و حدیث کا علم سیکھنے کے لئے مدرسوں کی طرف چل نکلا۔

اب توحید و سنت سے محبت اور شرک و بدعت سے نفرت ہوتی گئی۔ پھر میری زندگی میں ایک دن وہ بھی آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے جہاد کی سی نعمت عظیم کی سعادت سے سرفراز فرمایا اور مولانا امیر حمزہ صاحب کے ہمراہ جہاد افغانستان میں جہاں میرا ذہن اور زیادہ واضح ہو گیا اور پتہ چلا کہ اہل حدیث کیا ہوتے ہیں اور یہ کہ ان کا اصل کام کیا ہے؟ اور یہ بھی پتہ چلا کہ ولایت جس کے لئے ہم رسوا ہوتے رہے، وہ تو یہاں عقیدہ توحید کے ساتھ میدان جہاد میں ملتی ہے۔

اصلی داتا دربار کی تعمیر

اللہ ہی داتا ہے اور اس کا دربار مسجد ہے۔ چنانچہ افغانستان سے واپس آنے کے بعد ہم نے اہداء میں عبداللطیف صاحب کے گھر میں ہی ان کی اقتداء میں نماز پنجگانہ کے ساتھ جمعہ بھی شروع کر دیا۔ اور پھر چند ماہ بعد اللہ کی توفیق سے ہم نے گاؤں میں ایک مسجد بنائی جس کا سنگ بنیاد پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب حفظہ اللہ نے رکھا۔ مسجد کا بننا تھا کہ

خافقہی و درباری نظام کے علمبردار لوگوں نے آسمان سر پر اٹھالیا! مسجد کو گرانے کی سازشیں شروع ہو گئیں۔ کچھ لوگوں نے ہم دونوں کے قتل کے پروگرام بنائے، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام سازشوں کو ناکام بنادیا۔۔۔ پھر جب مسجد کی تکمیل ہو گئی تو ہم نے مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری کا افتتاحی جلسہ کروایا، جس کی صدارت جامعہ محمدیہ شاہوٹ کے کے بانی اور سابق چیئرمین محمد ارشد سہابی صاحب نے کی، جنہوں نے جلسے سے خطاب بھی کیا اور اپنے اہل حدیث ہونے کا ایمان افروز واقعہ بھی بیان کیا، اور لوگوں کو دامن توحید تھامنے کی دعوت دی۔

اب حمد اللہ گاؤں کے لوگ جوق در جوق حق کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں اور باطل کا اندھیرا رفتہ رفتہ چھٹتا جا رہا ہے۔ اور اسے تو آخر ایک دن چھٹنا ہی ہے اور حق کو غالب آنا ہے۔ جیسا کہ رب السموات والارض نے قرآن میں یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ :

جَاءَ الْحَقُّ وَهَقَّ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

ترجمہ : حق غالب آتا ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور بے شک (جھوٹ) باطل کو بھاگنا ہی ہوتا ہے۔
(الاسراء ۱۷ : ۸۱)

”سپریم کورٹ نے سپریم کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا اور فیصلہ دیا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا جائے گا۔“

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ

پاکستان کے مسائل کے لیے پالیسی اور انتظامیہ کے تعاون کے ساتھ دہشت گردوں کا جرم کا خاتمہ